کیا غیر سُودی نظام بینکاری ممکن ہے؟

ڈاکٹر عبد الرحمٰن چھاپرا

پچھلے دو مقالوں میں جن دو سوالوں پر بحث کی گئی تھی وہ یہ تھے کہ کیا اسلام میں سود واقعی حرام ہے؟ اور اگر واقعی حرام ہے تو اس کے پیچھے کیا حکمت کارفرما ہے؟ ان دو سوالوں کا جواب دینے کے بعد جو تیسرا سوال قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا دور جدید میں سود کے لین دین کے بغیر ایک قابل عمل اور موثر مالیاتی و بینکاری نظام قائم کیا جا سکتا ہے؟

مسلمانوں کی اکثریت اور بعض مغربی مفکر بھی اس سوال کا مثبت جواب دیتے ہیں جبکہ بعض دوسرے لوگ، جن میں کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، اس کا منفی جواب دیتے ہیں۔ اس منفی جواب کے پیچھے ان کی دلیل یہ ہے کہ شرح سود ایک قیمت ہے اور دوسری تمام اشیاء کی قیمتوں کی طرح کسی معیشت میں مالی وسائل کی طلب اور رسد کے درمیان توازن قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر سود کو ختم کر دیا جائے تو مالی وسائل کس طرح اکھٹے کئے جائیں گے اور کس طرح استعمال ہوں گے۔ قیمت کے بغیر طلب بہت زیادہ ہوگی اور مالی وسائل فراہم کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ اس طرح طلب اور رسد کے درمیان توازن ختم ہو جائے گا۔ اس لیے ان کا اصرار ہے کہ باوجود اس کے کہ سود بہت سی خرابیوں کا سرچشمہ ہے ہمیں اسے برداشت کرنا ہوگا۔

اس بات سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا کہ بچت کرنے والوں کی فاضل رقوم اکھٹا کرنے اور انہیں استعمال کرنے والوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لیے ایک ایسی قیمت کا ہونا ضروری ہے جو نہ صرف یہ کہ طلب اور رسد میں توازن قائم کرے بلکہ اسے برقرار بھی رکھے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ کون سی قیمت سب سے زیادہ مناسب ہے۔ قاری اس بات سے اتفاق

کریں گے کہ وہی قیمت سب سے زیادہ مناسب ہے جو طلب اور رسد میں توازن قائم کرنے کے علاوہ ہمیں اپنے اصل مقصد کے حصول میں بھی مدد کرے۔

یہ مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے یہ مقصد تمام انسانوں کی بلا کسی امتیاز فلاح ہے چاہے وہ گورے ہوں یا کالے' امیر ہوں یا غریب' مرد ہوں یا عورت اور بچے ہوں یا بوڑھے۔ ایسی فلاح اسی صورت میں حاصل ہو سکتی جب چند ذیلی مقاصد پورے ہوں۔ ان میں سے چار جو بہت ضروری ہیں وہ یہ ہیں کہ تمام انسانوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی پوری ہوں' روزگار کے مواقع بڑھیں تا کہ ہر شخص اپنی صلاحیتوں اور محنت کی مناسبت سے روزی کما سکے' دولت کی عادلانہ تقسیم ہو اور معاشی استحکام بھی میسر ہو۔

پچھلے مقالے میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے حصول کے لیے مندرجہ بالا ذیلی مقاصد کی تکمیل ایک سودی نظام میں بدرجہ اتم پوری نہیں ہو سکتی۔ سودی نظام میں قرضوں کی حوصلہ افزائی اور آسان فراہمی ہوتی ہے جس کے باعث افراد اور حکومتوں میں اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنے کا رجحان بڑھتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو بچت میں کمی ہوتی ہے اور دوسری طرف اقتصاد کلی (macroeconomic) کی مشکلات کے علاوہ مالیاتی نظام میں بھی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ وسائل جو زندگی کی اہم ضرورتیں پوری کرنے اور پیداواری سرمایہ کاری کو بڑھانے کے لیے درکار ہوتے ہیں' وہ تعیش اور غیر مفید استعمال کے بڑھنے کی وجہ سے کم ہو جاتے ہیں۔ بچت میں یہ کمی' معیشت کی ساخت میں لچک کے فقدان (structural rigidities) اور دوسری سماجی اور اقتصادی کمزوریوں کے ساتھ مل کر سرمایہ کاری کی شرح اور روزگار کے مواقع میں بڑھوتری کو کم کر دیتی ہے اور معاشی ترقی پر من حیث المجموع بُرا اثر ڈالتی ہے۔ غریب لوگوں پر اس وجہ سے سب سے زیادہ برا اثر پڑتا ہے اور معاشی عدم مساوات میں

اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجوہات ہیں جن کی بناء پر دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نے بھی سود کو حرام قرار دیا ہے۔ حکومت اور نجی شعبے کے غیر ضروری اخراجات میں کمی کے باعث توقع کی جاسکتی ہے کہ قومی بچت میں اضافہ ہوگا اور ذاتی سرمایہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کو فروغ حاصل ہوگا۔ تاہم چونکہ اسلام ایک حقیقت پسند اور قابل عمل دین ہے وہ ادھار کو بھی روا رکھتا ہے۔ بشرطیکہ وہ حقیقی اشیاء اور خدمات کی خرید و فروخت کے لیے ہو اور اجناس، حصص، پراپرٹی اور زر مبادلہ کے بازاروں میں سٹے کے لیے نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے اس نے بعض غیر سودی طریقے بھی فراہم کیے ہیں۔ جو ہم اس مقالے میں آگے چل کر دیکھیں گے۔ اس طرح ایک اسلامی معیشت میں مالی لین دین دو طریقوں سے ہوگا۔ ان میں سے ایک نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر ہوگا اور دوسرا اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ پر حقیقی اشیاء کی ادھار خرید و فروخت کے ذریعے۔

نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری:-

اسلام میں سرمایہ کاری کے سب سے زیادہ پسندیدہ طریقے مضاربت (۱) اور مشارکت (۲) ہیں۔ سرمایہ کاری کے ان دونوں طریقوں میں صاحب مال قرض دینے والے کی طرح سود نہیں لیتا۔ بلکہ نفع اور نقصان میں شریک ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ تجارت یا صنعت یا زراعت کے منطقی انجام میں شریک ہوتا ہے۔ اگر نفع ہوا تو ایک طے شدہ تناسب سے اس کو اس نفع میں حصہ ملے گا۔ اور اگر نقصان ہوا تو وہ اسے اپنے سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرے گا۔ نفع میں شرکت کی نسبت کوئی بھی ہوسکتی ہے جس پر صاحب مال اور مضارب میں اسلام کے عادلانہ اصولوں کی بنیاد پر اتفاق ہوجائے۔ اس نسبت کے طے کرنے میں کئی عناصر کو مدنظر رکھا جائے گا۔ جس میں صلاحیت، شہرت، محنت اور خطرات شامل ہیں۔ لیکن نقصان میں شرکت کی نسبت صرف سرمایہ کے تناسب سے ہی ہوسکتی ہے (۳) نقصان میں شراکت صاحب مال کے فراہم کردہ سرمایہ کی حد تک ہی ہوگی اس سے زیادہ نہیں۔ کمپنیوں کے حصص میں سرمایہ کاری چونکہ نفع اور نقصان میں

شراکت کی بنیاد پر ہوتی ہے اس لیے وہ بھی قابل قبول ہیں۔ ایسی کمپنیوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری ہوسکتی ہے اور زیادہ خطرات بھی جھیلے جاسکتے ہیں۔ اس کے لیے مناسب قوانین کے تحت ایک منظم بازار حصص (اسٹاک مارکیٹ) کی موجودگی ضروری ہے تاکہ سرمایہ کار جب چاہے اپنے حصص کو فروخت کر سکے۔ یہ ایسی سہولت ہے جو مضاربت اور مشارکت کی سرمایہ کاری میں موجود نہیں۔ کمپنیوں کے حصص حکومتوں اور کمپنیوں کے لئے سود پر مبنی بانڈ کا نعم البدل ہوسکتے ہیں۔

تاریخی شہادت:۔ نفع اور نقصان میں شراکت پر مبنی نظام کا جو مختصر خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے وہ تو اس وقت دنیا میں کہیں بھی پوری طرح رائج نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تاریخ میں کبھی ایسا نظام رائج ہوا ہے۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنی پیداواری اور تجارتی سرگرمیوں کی سرمایہ کاری کیلئے مضاربت اور مشارکت پر مبنی ایک غیر سودی مالیاتی نظام کامیابی کے ساتھ صدیوں تک چلایا تھا۔ پروفیسر یوڈووچ (Udovitch)' جو پرنسٹن یونی ورسٹی میں مشرق قریب کے ڈپارٹمنٹ کے صدر تھے' لکھتے ہیں کہ ''مضاربت اور مشارکت کے طریقوں نے قرون وسطیٰ میں اس بات کو ممکن بنا دیا تھا کہ معاشرے کے پاس جو مالیاتی وسائل میسر ہیں وہ پورے کے پورے جمع کر کے زراعت' صنعت و حرفت اور طویل فاصلوں کی تجارت کے فروغ کے لیے استعمال کئے جائیں (۴) اور یہ طریقے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اس حد تک استعمال کرتے تھے کہ سود پر مبنی قرضوں کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا'' (۵)۔ پروفیسر گوئیٹائن (Goitein) کے مطابق سود کے خلاف یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے قانون کی خلاف ورزی ان کو مصر کے جنیزہ دستاویزات (Genizа Documents) کے صرف ایک ہی متن میں ملی جبکہ ان دستاویزات کا ایک بہت بڑا حصہ سرمایہ کاری سے تعلق رکھتا تھا (۶)۔ پروفیسر شاٹزملر (Schatzmiller) بھی اسی نتیجہ تک پہنچے

ہیں کہ ہسپانیہ میں اسلامی تاریخ کے شروع ہی کے دور سے دولت مند افراد نے سرمایہ کاری کو فروغ دیا تھا اور سود کی حرمت نے ان کے لئے اس کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں پیدا کی تھی (۷)۔

اسلامی تاریخ میں جو لوگ بینکوں کی قسم کی خدمات انجام دیتے تھے انہیں صَـرَّاف کہا جاتا تھا۔ عباسی خلیفہ المقتدر، جن کی خلافت (295 ھجری/908 عیسوی سے 320 ھجری/933 عیسوی) تک رہی، ان کے دور کے شروع ہی سے صراف جدید بینکوں کے بیشتر فرائض انجام دینے لگے تھے (۸)۔ ان کی اپنی منڈیاں تھیں جن میں زراعت، صنعت وتجارت کے لیے بینکنگ کی بیشتر ضروریات نیویارک میں وال اسٹریٹ (Wall Street) اور لندن میں لومبارڈ اسٹریٹ (Lombard Street) کی طرح اس زمانے کی فنی ترقی کے دائرے میں پوری کی جاتی تھیں (۹)۔ لیکن چونکہ یہ صراف جدید دور کی فنی اصطلاح کے مطابق بینک نہیں کہلاتے تھے اسلئے یوڈووچ نے ان کو "بغیر بینک کے بینکار" کہنے کو ترجیح دی ہے (۱۰)۔

اسلامی تاریخ میں صرافوں کے ذریعہ سرمایہ کاری کے لیے بچتوں کے بڑے پیمانے پر استعمال کئے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی زراعت وصنعت وتجارت کو زبردست فروغ ملا تھا۔ اور ان کی تجارت مغرب میں مراکش اور ھسپانیہ تک، مشرق میں ہندوستان، منڈاناؤ اور چین تک، شمال میں وسطی ایشیا تک، اور جنوب میں افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ اس کا ثبوت صرف تاریخی دستاویزات سے ہی نہیں بلکہ ساتویں صدی سے گیارہویں صدی تک جاری شدہ مسلمانوں کے ان سکوں سے بھی ملتا ہے، جو آثار قدیمہ کی کھدائی کے ذریعہ روس، فن لینڈ، سوئیڈن، ناروے، جزیرہ ہائے برطانیہ اور آئس لینڈ میں پائے گئے ہیں۔ خیال فرمایئے کہ یہ ممالک عالم اسلام کا حصہ نہیں تھے بلکہ اس کے گرد ونواح میں واقع تھے (۱۱)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دور دراز ممالک کے ساتھ بھی تجارت ہوتی تھی اور اس کے لیے جس سرمایہ کاری کی ضرورت تھی وہ میسر تھی۔

بہت سے تاریخی عوامل کی بناء پر عالم اسلام اپنی اخلاقی' فنی اور اقتصادی برتری سے محروم ہو گیا (۱۲)۔اس وجہ سے استعماری طاقتوں نے بیشتر مسلمان ملکوں پر قبضہ کرلیا اور بہت سے اسلامی اداروں کی جگہ اپنے اداروں کو نافذ کردیا۔ان اداروں میں اسلام کا سرمایہ کاری کا نظام بھی شامل تھا۔لیکن اللہ کے فضل سے مسلمان ملکوں کی آزادی سے احیاء اسلام کی تحریکوں کو تقویت ملی ہے۔ اور بہت سے گم شدہ اداروں کے احیاء کی کوشش ہورہی ہے۔اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مضاربت اور مشارکت کے طریقے ماضی کی طرح ایک بار پھر سرمایہ کاری کے فروغ اور صحت مندانہ انداز میں معاشی ترقی کے لیے وہی فعال اور محترم کردار ادا کرسکتے ہیں جو انہوں نے ماضی میں کیا تھا۔

ایسا نہ کرنے کی بظاہر تو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس وقت سے اب تک دنیا میں جو فنی ترقی ہوئی ہے خاص طور سے ذرائع مواصلات میں ارتقاء' محاسبہ اور اس کی تنقیح (accounting and auditiing) کے طریقوں میں بہتری' اور ان سب سے بڑھ کر ذرائع معلومات (information technology) میں انقلاب' اس کی وجہ سے اسلام کے سرمایہ کاری کے طریقوں پر عمل کرنا نسبتاً آسان ہوگا۔ان سہولتوں کی مدد سے حسابات کو بہتر بنانے' اخراجات اور آمدنی کے ریکارڈ کو زیادہ شفاف بنانے' منافع کا صحیح اندازہ کرنے اور ان سب کی نگرانی اور جانچ پڑتال کو موثر بنانے میں زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

فروخت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کے طریقے :-ان سب سہولتوں کے باوجود مضاربت اور مشارکت کے ذریعہ تمام مالیاتی ضرورتوں کو پورا کرنا ممکن نہیں۔مثلاً کسی کو رہنے کے لیے مکان چاہیئے اور وہ اسے خرید نہیں سکتا یا خریدنا نہیں چاہتا تو وہ کسی

مکان کا حق استعمال کرایہ دے کر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس میں نفع ونقصان کی شراکت ممکن نہیں۔ یا پھر کسی کو گاڑی خریدنی ہے اور وہ قیمت فوراً ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے قسطوں میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس میں بھی نفع ونقصان کی شراکت ممکن نہیں۔ چونکہ شریعت کی تعلیمات حقیقت پسندی پر مبنی ہیں اس لیے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان تمام ذرائع کے استعمال کی اجازت دیتی ہے جو اس کی دی ہوئی اقدار سے ٹکراتے نہ ہوں۔ اس لیے اس نے حقیقی اشیاء یا ان کے حق استعمال کی خرید وفروخت کے لیے بعض طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے زیادہ معروف اور مستعمل طریقے بیع مؤجل یا مرابحہ، اجارہ، سَلَم اور اِستصناع ہیں۔ یہ سب طریقے حقیقی اشیاء یا ان کے حق استعمال کی خرید وفروخت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد لوگوں کو سود میں ملوث ہوئے بغیر ان چیزوں تک رسائی کے قابل بنانا ہے جو وہ چاہتے ہیں لیکن جن کی قیمت یا تو وہ فوری طور پر ادا نہیں کر سکتے یا نہیں کرنا چاہتے۔ ان سب میں جہاں خریدار کے لیے سہولت ہے کہ اسے ایک چیز یا اس کا بلا ملکیت حق استعمال پوری رقم فوراً ادا کیے بغیر میسر ہو جائے، وہاں صاحب مال کے لیے یہ اطمینان ہے کہ اسے نفع ونقصان میں شراکت کے مقابلے میں کم خطرات کو جھیلنا پڑے گا۔

ان سب طریقوں میں جو طریقے سب سے زیادہ مستعمل ہیں وہ بیع مؤجل اور اجارہ ہیں۔ بیع موءجل میں ایک شخص ایک چیز ابھی خریدتا ہے لیکن اس کی قیمت باہمی مفاہمت سے بعد میں یک مشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے۔ اسی کو مرابحہ بھی کہتے ہیں۔ اجارہ (leasing) میں ایک شخص اپنی ضرورت کی چیز کو خریدتا نہیں بلکہ اس کے استعمال کا حق کرایہ دے کر حاصل کرتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کسی چیز کا حق استعمال اس مفاہمت پر حاصل کرے کہ اتنے عرصہ کے بعد وہ اس چیز کا مالک بن جائے گا۔ سَلَم میں بیع مؤجل کے برعکس خریدار قیمت پہلے ادا کرتا ہے اور چیز پہلے سے طے شدہ ایک معین مدت کے بعد وصول کرتا ہے۔ جیسے کسان اپنی ضرورت کی رقم حاصل کرنے کے لیے اپنی کپاس کی پیداوار کا کچھ حصہ پہلے سے فروخت کر دے اور اس کی سپردگی فصل

تیار ہونے کے بعد ایک معین مدت کے اندر کرے۔ اس طرح کسان کو سود پر قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑیگی۔ اِستصناع میں ایک شخص اپنی ضرورت کی چیز کی فرمائش اس کے بنانے والے یا ٹھیکے دار سے کرتا ہے اور اس کی قیمت یا تو اس چیز کی سپردگی کے وقت ادا کرتا ہے یا بعد میں حسب مفاہمت۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں لیکن وہ سب انہی طریقوں کی شاخیں ہیں اور ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مضاربت اور مشارکت اور خرید و فروخت کے ان سب طریقوں کے ذریعہ مالی اور سرمایہ کاری کی تمام ضروریات پوری ہوسکتی ہیں، چاہے وہ حکومت سے تعلق رکھتی ہوں یا نجی شعبہ سے۔ اس لیے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ غیر سودی نظام موجودہ دور کی تمام مالی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

چونکہ کسی چیز کی ملکیت یا اسکے حق استعمال کے وصول کرنے کے لئے جو طریقے شریعت نے جائز قرار دیئے ہیں ان میں نفع کی شرح پیشگی متعین کی جاتی ہے، اس سے بظاہر یہ محسوس ہوسکتا ہے کہ یہ تو سود ہی کی طرح ہے۔ یہی اعتراض رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی بعض لوگوں نے یہ کہہ کر کیا تھا کہ ''اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' (سورہ بقرہ، آیت نمبر 275) یعنی یہ کہ بیع (خرید و فروخت) بھی تو ربا (سود) ہی کی طرح ہے۔ اس لیے کہ اس میں نفع کی شرح پہلے سے متعین کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ شریعت نے ان طریقوں کے جواز کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ ان شرائط کا مقصد اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ صاحب مال بھی کسی حد تک خطرہ مول لے اور ادھار یا کرایہ پر لینے والے کے مفاد کا بھی تحفظ کیا جائے۔ ان شرائط کے پورا کرنے سے اس بات کا امکان نہیں رہے گا کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کی ایسی صورت اختیار کرلیں جس سے غیر محسوس طریقے پر سود کی حرمت پامال ہو۔

اعتراضات:- دور جدید میں سرمایہ کاری کے اسلامی طریقوں کے احیاء پر بہت سے اعتراضات کیے گئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:-

اخلاقی انحطاط:- ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس دور میں جب لوگوں کی اخلاقی حالت گر چکی ہے' تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بینک سے نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ لینے والے اپنے نفع کی صحیح شرح ظاہر کریں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اخلاقی بلندی کے مفروضے پر کبھی کوئی نظام نہیں چل سکتا اور نہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں لوگوں نے اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ اپنے گھروں اور دکانوں پر تالے لگائے ہیں۔ معاہدوں پر دستخط کئے ہیں۔ معاشروں اور حکومتوں نے بائیکاٹ اور سزاؤں کا نظام نافذ کیا ہے تا کہ جو لوگ چوری کرتے ہیں یا دھوکہ اور فریب سے کام لیتے ہیں انہیں سزا دی جائے۔

ان طریقوں میں سے ایک طلب ورسد کی بازاری قوتیں (market forces) ہیں۔ جو بڑی حد تک اخلاقی کمزوری پر قابو پاتی ہیں۔ بینکوں سے قرض لینے والے صرف ایک یا دو کاروبار تو نہیں ہونگے۔ بلکہ ہزاروں کاروبار ہونگے - اگر کسی نے بے ایمانی کی کوشش کی تو اس کا پتہ اس وقت چل جائے گا جب اس کی شرح نفع یا نقصان کا موازنہ دوسرے کاروباروں اور خصوصا ایماندار کاروباروں کے حسابات سے کیا جائے گا۔ بے ایمانی کرنے والے کاروباروں کی ساکھ گر جائے گی اور' چونکہ یہ بات مشہتر ہوگی اور اس کا سب بینکوں اور تاجروں کو پتہ چل جائے گا' اس لئے ان پر مستقبل میں کوئی بھی بھروسہ نہیں کرے گا۔ اس طرح وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماریں گے اور اپنے مستقبل کو تاریک بنائیں گے۔

لیکن صرف بازاری قوتوں پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ بینکوں کو تحفظ فراہم کرنے اور ان کے کام میں مدد دینے کے لیے معاون ادارے (shared institutions) قائم کیے جائیں (۱۳)۔ ان میں سے ایک بینکوں' کمپنیوں اور تاجروں کی قرض کی ساکھ معین کرنے والے ادارے (credit rating agencies) ہیں۔ جو بینکوں سے معاملہ کرنے والے تمام تاجروں کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کریں گے۔ حسابات دیکھیں گے اور بازار میں ان کی شہرت کا اندازہ لگائیں گے۔

بہت سے ملکوں میں ایسے ادارے ہیں اور پاکستان میں بھی ایسے ادارے قائم ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان اداروں کو تقویت ملے گی۔ یہاں تک کہ تمام بینکوں' کمپنیوں اور تاجروں کی ساکھ کا علم ہو سکے گا۔ چونکہ ساکھ کے درجہ کے تعین (credit rating) کے بغیر بینکوں سے نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر معاملہ کرنا مشکل ہوگا' اس لیے سب ہی ایسے اداروں کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جو تعاون نہیں کریں گے' ان کی ساکھ صفر ہوگی۔ اس سے شفافیت بڑھے گی اور لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے علاوہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ حسابات رکھنے (accounting) اور ان کی جانچ پڑتال کرنے (auditing) والے اداروں کی اصلاح کی جائے تاکہ اگر کوئی تاجر بینک کو صحیح نفع نہیں بتاتا' تو اسے تمام بینکوں کے مل کر قائم کیے ہوئے ایک تفتیشی ادارے (audit organization) کے پاس بھیجا جائے اور اگر اس کی جانچ پڑتال سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس تاجر نے بے ایمانی کی ہے تو اس کا نام اخبارات میں مشتہر کیا جائے اور ایوانہائے تجارت (chambers of commerce) اور تاجر برادریاں (trade associations) اس کا بائیکاٹ کریں۔

چونکہ قرونِ اولیٰ میں ایسے لوگوں کو بری نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ضرورت ہوتو پورا معاشرہ ان کا بائیکاٹ بھی کرتا تھا' اس لیے وہ مجبور ہوتے تھے کہ اپنے معاہدوں کو پورا کریں اور دوسروں کے حقوق کما حقہ ادا کریں۔ کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ زمانے میں بھی ایوانہائے تجارت اور تاجر برادریاں ایسا ہی کردار ادا نہ کرسکیں تاکہ مسلمان معاشرے میں لوگ اپنے معاہدے پورے کریں اور لوگوں کا اعتبار ایک دوسرے پر بڑھے۔ ایسا طرزِ عمل صرف اسلامی بینکنگ ہی کے لیے نہیں بلکہ مسلم معاشرے کے تمام شعبوں کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا طرزِ عمل اختیار رکھا جائے تو تاجر دھوکہ دینے اور بے ایمانی کرنے سے ڈریں گے اور کمپنیوں کے ڈائریکٹر بھی حصہ داروں کا نفع ہڑپ کرنے سے گھبرائیں گے۔ قرآن کی اصطلاح ''اَمْــر بــالْـمعْـروف اور نَهِی عَنْ الْمُنکَر'' کا صحیح معنیٰ پر نفاذ اسی وقت ہوسکتا ہے جب غلط کار لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ملے۔ اس مقصد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بینک اور شرعی عدالتیں (banking tribunals and Shari'ah courts) قائم کی جائیں تاکہ مقدمے کئی سال تک گھسٹتے نہ رہیں بلکہ ان کے فیصلے جلد ہوجائیں۔

ان سب اداروں کے ذکر کرنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی ضرورت صرف اسلامی نظام کے لیے ہی ہے۔ سودی بینکوں کو بھی ان اداروں کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اسلامی بینکوں کو ہے۔ جن ملکوں میں ایسے ادارے موجود ہیں وہاں بینک زیادہ بہتر خدمات انجام دے سکتے ہیں اور اپنے ملک کی اقتصادی ترقی میں زیادہ فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ پاکستان میں سودی بینکوں کو بھی قرضوں کے وقت پر ادا نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات درپیش ہیں اس کا ایک بڑا سبب ان اداروں کا فقدان ہے۔

دو چیزیں لوگوں کو ایمانداری پر مجبور کرتی ہیں ایک آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی

کا احساس اور دوسرے دنیا کے اندر رسوائی اور سزا کا خوف۔ آخرت میں سزا کا تصور چونکہ سب لوگوں کے ذہن میں پختہ نہیں ہوتا اس لئے دنیا میں رسوائی اور سزا سے کوئی مفر نہیں۔ اسلام نے ان دونوں پر زور دیا ہے اگر کوئی اپنی دکان کو تالا نہ لگائے تو چوری تو ہوگی اور اگر حکومت چوروں کو پکڑے نہیں اور پکڑے تو سزا نہ دے تو پھر چوری کی وارداتیں بڑھ جائیں گی' کم نہیں ہوں گی۔ اگر حکومتیں اس معاملے میں تساہل برتیں اور پھر بھی یہ توقع کریں کہ چوری' ڈکیتی' دھوکہ دہی اور قتل و غارت گری نہ ہوگی تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ عموماً ایسا وہ حکومتیں کرتی ہیں جو مطلق العنان ہوتی ہیں اور لوگوں کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتیں۔ جب غلط کار لوگوں کو سزا نہیں ملتی تو عدل و انصاف کا خون ہوتا ہے اور معاشرہ تباہی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ یہی قرآن کا بھی اٹل فیصلہ ہے کہ ''وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْماً'' (سورہ طٰہٰ' آیت نمبر ۱۱۱) یعنی ''جس نے ظلم کیا وہ تباہ ہوا'' رسول اکرم ﷺ کی کئی احادیث بھی یہی بتاتی ہیں اور مسلمان مفکروں نے بھی اسی بات پر زور دیا ہے۔

جمع کھاتوں (deposits) میں کمی:- دوسرا اعتراض جو اسلام کے بینکاری کے نظام پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسے نظام میں جہاں بینک میں رقم جمع کرانے والوں کو نفع و نقصان میں شریک ہونا پڑے وہاں لوگ اس ڈر سے کہ انہیں نقصان ہوگا اپنی رقمیں بینکوں سے نکال لیں گے۔

اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اسلامی بینکوں میں بھی دوسرے بینکوں کی طرح مختلف اقسام اور مدتوں کے کھاتے رکھنے کی گنجائش ہوگی۔ ان میں فوری وصولی کے کھاتے (demand deposits) بھی ہوں گے اور مختلف خطرات اور مدت والے مضاربہ کھاتے بھی۔

فوری وصولی کے کھاتوں پر چونکہ کوئی نفع نہیں دیا جاتا اس لیے وہ نقصان میں بھی شریک نہیں ہوں گے۔ اس بات کو حتمی بنانے کے لیے بچتوں کے انشورنس (deposit insurance) کی ضرورت ہے تا کہ لوگوں کو یہ اطمینان ہو کہ ان کے کھاتے ہر خطرے سے محفوظ ہیں (۱۴)۔ تاہم مضاربہ کھاتوں پر نفع ونقصان میں شراکت کا اطلاق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ نقصان کو ختم کرنے یا کم سے کم کرنے کے لئے جو ذرائع معلوم ہیں وہ اختیار نہیں کیے جائیں۔ مثلاً انتظامی خوش اسلوبی (corporate governance) پر آج کل زور دیا جارہا ہے تا کہ ہر بینک کی انتظامیہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرنے پر مجبور ہو۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اندرونی نگرانی (internal audit) اور خارجی جانچ پڑتال (external audit) دونوں موثر (effective) ہوں۔ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ بینک انتظامیہ خطرات کے تعین اور ان سے بچنے (risk management) کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے۔ اپنے اثاثوں کو اس طرح استعمال کریں (diversity) کہ ایک جگہ کے نقصان سے پوری رقم نہ ڈوب جائے بلکہ دوسری جگہوں کے فوائد سے اس کی تلافی ہو جائے۔ خطرات کے مقابلے کے لیے یہ بھی ضروری ہو گا کہ نفع بخش سالوں میں بینک کا سارا نفع تقسیم نہ کر دیا جائے' بلکہ محفوظ کی ہوئی رقم (reserves) بڑھائی جائے۔ تا کہ نقصان والے سالوں میں کھاتہ داروں کو نقصان سے بچایا جا سکے۔

مرکزی بینک کو بھی اس سلسلے میں قانون سازی (regulation) اور تفتیش (supervision) کے ذریعہ اپنا کردار پوری طرح ادا کرنا ہوگا تا کہ اس بات کی یقین دہانی کی جا سکے کہ بینکاری کا نظام ٹھیک چل رہا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اسلامی بینکوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام بینکوں کے لیے ضروری ہے اور آج کل دنیا بھر میں اس پر زور دیا جارہا ہے۔ اگر مرکزی بینک اپنے فرائض ٹھیک سے انجام نہ دے اور سیاسی نظام کے فاسد ہونے کی وجہ سے سیاسی بنیادوں پر

قرضے دیئے جاتے ہوں تو کوئی نظام ٹھیک نہیں چل سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نقصان کا امکان پھر بھی باقی رہے گا۔ اگر نقصان کے اندیشے سے کاروبار اور حصص پر مبنی کمپنیوں (joint stock companies) میں سرمایہ کاری میں کمی نہیں ہوئی تو یہ سوچنا حقیقت پسندانہ نہ ہوگا کہ نفع و نقصان میں شراکت کی وجہ سے مضاربہ کے کھاتوں میں کمی واقع ہو جائے گی۔ مضاربہ کی بھی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں، مثلاً وہ جن میں نقصان کا خطرہ کم مگر نفع بھی کم ہے اور وہ جن میں نقصان کا خطرہ زیادہ مگر نفع بھی زیادہ ہے تا کہ ہر قسم کے کھاتہ داروں کو ان کے حوصلے کی مناسب سے خدمت فراہم کی جا سکے۔

نفع ونقصان میں شرکت کا ایک فائدہ ضرور ہوگا کہ بینکوں میں رقمیں جمع کرانے والے زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ وہ اپنے بینکوں پر زیادہ کڑی نظر رکھیں گے اور زیادہ معلومات طلب کریں گے جس سے شفافیت بڑھے گی اور بینکوں کی صحیح حالت کا لوگوں کو اندازہ ہوگا۔ بینک بھی قرضے دینے میں زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور پورے بینکاری کاروبار میں زیادہ بہتر ڈسپلن پروان چڑھے گا۔ بینکوں میں ڈسپلن کی اس لیے کمی واقع ہوتی ہے کہ ضمانت پر پورا اعتماد کرنے کے باعث وہ قرض لینے کے مقصد کو اچھی طرح نہیں پرکھتے اور سٹے اور ایسے ہی دوسرے غیر ضروری اور پُر خطر مقاصد کے لیے بھی قرضے دے دیتے ہیں۔ نفع ونقصان میں شراکت سے اس قسم کے قرضوں میں کمی آئے گی۔ بینکوں کا نظام بہتر ہوگا اور عدم استحکام میں بھی کمی واقع ہوگی۔

اب تک کی کامیابیوں کا احوال :- پہلا مکمل اسلامی بینک دُبئی میں مارچ 1975ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد جلد ہی دوسرے بینک قائم ہونا شروع ہو گئے۔ 1997ء کے آخر تک دنیا بھر میں 176 بینک اور مالیاتی ادارے قائم ہو گئے تھے ان کے مجموعی اثاثے 147.7 بلین ڈالر تک پہنچ گئے تھے ان اعداد و شمار میں وہ کھڑکیاں شامل نہیں جو

روایتی بینکوں نے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں ان لوگوں کی بچتیں حاصل کرنے کے لیے کھولی ہیں جو سود سے بچنا چاہتے ہیں۔ تازہ ترین معلومات میسر نہیں لیکن مختلف اندازوں کے مطابق سب ملا کر مجموعی اثاثے اب تک 200 سے 300 بلین ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔ اس تیز رفتار ترقی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکاری کا نظریہ نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اس کی افادیت بھی مُسلّم ہے۔ OECD کے ترقیاتی مرکز (Development Centre) کی ڈائریکٹر Dr. Traute Wohlers Scharf اپنی کتاب میں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اسلامی بینکوں نے ''مسلم آبادی کے ان طبقات کے لئے بھی کشش رکھتی ہے جو اب تک دینی وجوہات کی بناء پر بینکاری کے دائرے سے باہر تھے۔ ان بینکوں نے اپنے حصہ داروں اور مضاربہ کھاتہ داروں کے لیے منافع بھی کافی کمایا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر سودی نظام کا تصور جدید دور میں بھی قابل عمل ہے'' (۱۵)۔

اس تیز ترقی سے بھی زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس موضوع پر علمی کتب اور رسائل میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ یہ کتابیں اور رسائل صرف اسلامی ممالک میں ہی نہیں بلکہ امریکہ اور یورپ میں بھی شائع ہوئی ہیں اور صرف مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی لکھی ہیں۔ اس طرح لوگوں میں اسلامی سرمایہ کاری کا فہم آج سے 25 سال پہلے کے مقابلے میں کافی بڑھا ہے جہاں پہلے بہت کم لوگ مضاربت اور مشارکت اور اسلامی بینکاری کی دوسری اصطلاحوں سے واقف تھے۔ اب یہ اصطلاحیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ اسلامی بینکوں کو درپیش بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے بڑی تعداد میں اجتہادی نوعیت کے فیصلے ہوئے ہیں اور اعلیٰ معیار کا علمی کام ہوا ہے۔ جو قانون سازی کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرے گا۔

صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی، اور صرف اسلامی ترقیاتی بینک اور مسلمان فقہی ادارے

ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بین الاقوامی ادارے بھی دلچسپی لینے لگے ہیں۔ ان میں آئی۔ ایم۔ ایف' ورلڈ بینک اور بی۔ آئی۔ ایس بھی شامل ہیں۔ مغربی ممالک میں مختلف یونی ورسٹیوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔ ان میں امریکہ کی ہارورڈ لا (Law) اسکول اور رائس یونیورسٹی اور برطانیہ کی لـفبرو (Loughborough) اور ڈرھم یونی ورسٹیاں اور لندن اسکول آف اکنامکس بھی شامل ہیں۔ بعض یونی ورسٹیوں نے تو اس موضوع پر سیمینار اور کانفرنسیں بھی منعقد کی ہیں اور ماسٹر اور ڈاکٹر کی ڈگریوں کے پروگرام بھی شروع کر دیئے ہیں۔

اسلامی سرمایہ کاری کے نظام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ تین دہائیوں میں بین الاقوامی مالیاتی نظام میں بار بار ہونے والے بحرانوں کے باعث اس نظام کے لیے ایک نئے قالب کی تلاش ہے۔ اس سلسلے میں جو علمی مواد میسر ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا یہ محسوس کر رہی ہے کہ مالیاتی نظام میں بہتر ڈسپلن داخل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ بھی محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر ذاتی بچت کی بنیاد پر سرمایہ کاری equity پر زیادہ اور قرض پر کم انحصار کیا جائے تو بحرانوں کی شدت میں خاصی کمی ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ اسلامی نظام کے سمجھنے میں اور اس کی افادیت تسلیم کرنے میں ہر اعتبار سے پیش رفت ہوئی ہے۔

مشکلات:- اسلام کے مالیاتی نظام کو چند مشکلات کا بھی سامنا ہے ان میں سے کچھ مشکلات تو فطری ہیں جن کا سامنا ایک نئے تجربے کے ابتدائی مرحلے میں ناگزیر ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زیادہ تر اسلامی بینک بہت چھوٹے ہیں۔ ان کے اوسط اثاثے ایک بلین ڈالر سے بھی کم ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے اثاثوں کا اس طرح پھیلاؤ (diversify) نہیں کر سکتے جس طرح خطرات کو کم کرنے کیلئے ضروری ہے۔ وسائل کی کمی کی

وجہ سے ان کے پاس ایسا عملہ بھی نہیں جس کی مدد سے وہ منصوبوں کی چھان بین (evaluation) اور نگرانی (monitoring) کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ چونکہ بینک چھوٹے ہیں اور ان کا اپنا ذاتی سرمایہ بھی نسبتاً کم ہے اسلئے دو تین بڑے حصہ داران بینکوں کے فیصلوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ معاون اداروں (shared institutions) کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان بینکوں کو سب کام خود ہی انجام دینے پڑتے ہیں۔ ان کاموں میں سے ایک قرض لینے والوں کی ساکھ کے تعین کرنے (credit rating) کا کام ہے۔ اس وجہ سے وہ نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری نہیں کر پاتے اور ان کے زیادہ تر وسائل خرید وفروخت اور اجارے کی سرمایہ کاری میں صرف ہوتے ہیں۔ غیر سودی بینکاری کے فائدے اور برکات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری میں اضافہ نہ ہو۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بیشتر معاون ادارے موجود نہ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اسلامی ترقیاتی بینک اور مرکزی بینکوں کے تعاون سے کئی معاون ادارے بن گئے ہیں یا بننے کے مراحل میں ہیں۔

چوتھے یہ کہ بینکوں کے کھاتہ داروں اور قرض لینے والوں کی اکثریت اسلامی بینکاری کے اصل تصور اور مقصد سے پوری طرح واقف نہیں اور بینکوں کے ملازمین میں بھی جو زیادہ تر روایتی بینکوں سے آئے ہوئے ہیں صحیح فہم کی کمی ہے۔

پانچویں مشکل یہ ہے کہ ایک اسلامی مالیاتی منڈی کی غیر موجودگی کی وجہ سے ان بینکوں کو اپنے

فاضل نقد (excess liquidity) نفع بخش طریقہ پر مختصر مدت کیلئے استعمال کرنے کی کوئی سبیل نہیں اور انہیں روائیتی مالیاتی منڈی میں جانا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان پر تنقید ہوتی ہے۔ اسی طرح نقد کی تنگی (liquidity crunch) کی صورت میں ضروری نقد تک رسائی میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ نقد کی تنگی کی صورت میں نقد فراہم کرنے والا کوئی ایسا ادارہ (lender of last resort) نہیں جو غیر سودی طریقے پر نقد فراہم کرنے کے لئے تیار ہو' اس لئے یہ بینک روائیتی بینکوں سے زیادہ نقد رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے منافع پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ ان مشکلات کی وجہ سے ان بینکوں کی ترقی تیز ہونے کے باوجود بھی اس رفتار سے کم ہے جو ہو سکتی تھی۔ لیکن توقع ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان مشکلات میں کمی واقع ہوگی اور ان حالتوں کے بدلنے سے ان کی ترقی کی رفتار میں مزید اضافہ ہوگا۔

مشکلات کا علاج:- ان مشکلات کا کوئی ایسا حل نہیں ہے کہ جو فوری طور پر ایک بٹن دبا کر کیا جا سکے۔ لیکن بتدریج علاج کرنے کیلئے کئی اقدامات کی کم از کم فوری طور پر ابتدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جتنا زیادہ ان اقدامات کو موخر کیا جائیگا۔ اتنا ہی ان مشکلات کو دور کرنے میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ ان اقدام میں سے ایک یہ ہے کہ حکومت اور مرکزی بینک اپنے طرز عمل کو بدلیں اور اسلامی بینکاری کے لئے ایک سازگار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

سازگار ماحول پیدا کرنے کے لئے کئی چیزیں درکار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی اور مالی نظام کے لئے ضرورت کی مناسبت سے قانونی اصلاح کی جائے۔ یہ اصلاح موجودہ قوانین میں چند پیوند لگا دینے سے نہیں ہوگی بلکہ شریعت کے اعلیٰ مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے قانون سازی کرنے سے ہوگی' تا کہ یہی نہیں کہ اسلامی بینکاری کا نظام مضبوط ہو بلکہ یہ بھی کہ ساتھ ساتھ شریعت کے مقاصد کے حصول کی طرف پیش رفت ہو۔ قانون سازی کرتے وقت

ان ساری کمزوریوں کو مدنظر رکھنا ہوگا جو ہمارے بینکاری کے نظام میں اس وقت موجود ہیں۔ ایک ناقص نظام کو جوں کا توں اسلام کی گود میں ڈالنا اسلام کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔

اس کی بھی ضرورت ہے کہ تربیت کا معقول انتظام کیا جائے۔ اس بات کو مدنظر رکھنے کی حاجت ہے کہ صرف کھاتہ داروں، قرض لینے والوں اور عام پبلک ہی کی تربیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کہ بینکوں کے ڈائریکٹروں، انتظامیہ اور عملے کو بھی تربیت کی ضرورت ہے۔ ان سب کو اس چیز کا اچھا فہم ہونا چاہیے کہ اسلامی بینکاری کیا ہے؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اور اس میں اور سودی بینکاری کے نظام میں کیا فرق ہے؟ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ قرضے لینے والوں کی ساکھ کا اندازہ ہو۔ اس مقصد کے لیے کریڈٹ ریٹنگ ایجنسیوں کا قیام ناگزیر ہے۔

محاسبہ اور تفتیش کے نظام کو بھی بہت بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی رپورٹ سے یہ اندازہ ہو سکے کہ حسابات ایمانداری سے رکھے گئے ہیں یا نہیں اور جو نفع بتایا گیا ہے وہ صحیح ہے؟ اس کی بھی حاجت ہے کہ تمام بینک مل کر ایک ایسا تفتیشی ادارہ (audit organization) بنائیں جس کے پاس کوئی بھی ممبر بینک اس تاجر کو بھیج سکے جس کے بارے میں اسے شک ہے کہ اس نے بینک کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ ایسے مشترک اداروں کے نہ ہونے کی صورت میں ہر بینک کو تفتیش کے لئے جو انتظام خود کرنا ہوتا ہے اس سے اس کی لاگت بہت بڑھ جاتی ہے۔

ایوانہائے تجارت اور تاجروں کی تنظیموں میں بھی یہ شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ان تاجروں اور صنعتکاروں کا معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کریں جو بے ایمانی کرتے ہیں اور یہی نہیں کہ بینکوں کو دھوکہ دیتے ہیں بلکہ اپنے گاہکوں اور حصے داروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ یہ بھی ناگزیر ہے کہ شرعی اور بینکی عدالتیں قائم کی جائیں تاکہ بینکوں سے متعلق نزاعات کے

ساتھ تیزی سے نمٹا جا سکے۔

ان بہت ساری اصلاحات کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جب تک یہ عمل میں نہ آ جائیں اسلامی بینکاری کے نظام کی طرف پیش رفت نہیں کی جائے گی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان اصلاحات کو سنجیدگی سے نافذ اسی وقت کیا جائے گا جب ان کی شدت سے اسلامی نظام کی حمایت اور تقویت کیلئے ضرورت پڑے گی۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی نظام فوری طور پر کسی چھڑی کے گھمانے سے نہیں آ جائے گا وہ بتدریج ہی آ سکتا ہے۔ تدریج میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے خود بھی بہت سی اصلاحات کو معاشرے میں بتدریج نافذ کیا تھا۔ لیکن تدریج کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جن اقدام کی ضرورت ہے ان کی طرف پیش قدمی ہی نہ کی جائے یا اس میں سستی برتی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو نظام کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اس لیے ہمارے بعض ارباب حل و عقد کا یہ کہنا بالکل قابل قبول نہیں کہ اسلامی نظام کو وہ اس وقت تک نافذ نہیں کر سکتے جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہو جائے۔ جہاں معاشرے کی اصلاح ناگزیر ہے وہاں اس نظام کے قیام کے لئے اخلاص اور مستعدی کے ساتھ ضروری اداروں کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔ جیسے جیسے موجودہ نظام کی اسلامی خطوط کے دائرے میں اصلاح ہوتی جائے گی اور معاون ادارے جڑ پکڑتے جائیں گے ویسے ہی اسلامی نظام بھی مضبوط ہوتا جائے گا اور اس کے ثمرات سے لوگ مستفید ہونگے۔

اس سے خود حکومت کو بھی فائدہ ہوگا کیونکہ کوئی سیاسی لیڈر اس وقت تک مقبول اور ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا اور کوئی حکومت چل نہیں سکتی جب تک کہ لوگ اس سے خوش نہ ہوں۔ اسلئے پاکستان

جیسے ملک میں سیکولرازم کے بیج بونے اور اسلام کو پس پشت ڈالنے کی کوشش سے نہ حکومت مضبوط ہو سکے گی اور نہ ہی ملک تیز رفتار ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے گا۔ اسلئے حکومت اور عوام دونوں کا بھلا اس میں ہے کہ اسلام کو اخلاص کے ساتھ بتدریج نافذ کیا جائے۔ دنیا کو ایک نئے نظام کی ضرورت ہے جو نہ صرف یہ کہ اقتصادی ترقی فراہم کر سکے بلکہ لوگوں کی اخلاقی حالت کو بھی جلا دے سکے۔ خاندانی نظام مضبوط کر سکے، اقتصادی عدم مساوات کو کم کر سکے اور لوگوں کے اندر اخوت و محبت کے رشتے جوڑ سکے۔ اسلام میں یہ صلاحیت مسلمانوں کے صدیوں کے انحطاط کے باوجود اب بھی موجود ہے۔ اگر ہم ارادہ کر لیں اور پُرخلوص کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں یقین دلایا ہے ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم ضرور ان کی اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کریں گے)'' (سورہ عنکبوت، آیت نمبر 79)۔

روشن مستقبل:- بے شمار مشکلات کے باوجود جن میں سرفہرست بہت سے مسلمان ملکوں کی سرد مہری ہے اسلامی بینکاری کا نظام پچھلے ۲۵ سالوں میں تیزی سے ترقی کر کے مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہو چکا ہے۔ اس تحریک سے بہت سے باصلاحیت، مخلص اور پرعزم لوگوں کی بڑی تعداد وابستہ ہے جو اس نظام کو آگے بڑھانے اور اس کی مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ احیائے اسلام کے ساتھ ساتھ یہ نظام بھی مضبوط تر ہوتا جائے گا۔ سوال اس نظام کے مستقبل کا نہیں، وہ تو روشن ہے ہی، سوال اس بات کا ہے کہ ہم اس کی مدد کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن سرخرو ہونا چاہتے ہیں یا اس کی راہ میں روڑے اٹکا کر دنیا اور آخرت دونوں میں اس کے عذاب کے مستحق بننا چاہتے ہیں؟

حواشی

(۱) : مضاربت اس معاہدے کو کہتے ہیں جس میں ایک یا اس سے زیادہ اصحاب مالی سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور مضارب اپنی محنت اور صلاحیتوں سے اس کو حسب اتفاق نفع بخش کاموں میں لگاتے ہیں۔ نفع حسب معاہدہ سب میں تقسیم ہوگا لیکن نقصان کی صورت میں اصحاب مال اسے برداشت کریں گے۔ مضارب کا نقصان یہ ہوگا کہ اسے اپنی محنت اور صلاحیتوں کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

(۲) : مشارکت اس معاہدے کو کہتے ہیں جس میں سبھی شریک سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور محنت اور صلاحیتیں بھی۔ نفع حسب معاہدہ تقسیم ہوگا لیکن نقصان انکے سرمایہ میں حصہ کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

(۳) : شافعی مسلک کی رو سے نفع کی بھی تقسیم سرمایہ کے تناسب سے ہی ہونی چاہئے۔ یہ رائے اس مفروضے پر مبنی ہے کہ محنت اور صلاحیتوں کا جو حصہ مجموعی نفع میں ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور یہ کہ تمام حصہ دار اپنے سرمایہ اور نفع میں شرکت کی مناسبت سے محنت اور صلاحیتوں کو بھی کام میں لائیں گے۔

(۴) : یوڈووچ، ۱۹۷۰، ص ۱۸۰ اور ۲۶۱

(۵) : یوڈووچ، ۱۹۸۱، ص ۲۵۷ اور ۲۶۸

(۶) : گوئٹائن (Goitein)، ۱۹۶۷، ص ۲۳۵ اور ۲۵۰، اسکے علاوہ دیکھئے گوئٹائن ۱۹۶۶، ص ۲۷۴-۲۷۱۔ جنیزہ دستاویزات آثار قدیمہ کی دریافت کے سلسلے میں کھدائی کے درمیان مصر میں میسر ہوئی تھیں اور ان کی تحلیل کافی عرق ریزی کے ساتھ پروفیسر گوئٹائن نے کی تھی۔

(۷) : شائز ہلز، ۱۹۹۴، ص ۱۰۲

(۸) : فشل (Fischel)، ۱۹۶۲

(۹) : دوری، ۱۹۸۶ء ص ۸۹۸

(۱۰) : یوڈووچ، ۱۹۸۱

(۱۱) : کریمرز (Kramers) ، ۱۹۵۲، ص ۱۰۰، اس کے علاوہ دیکھئے Chapra، 2000، ص ۲۵۲-۱۷۳

(۱۲) : ان عوامل پر بحث کے لئے دیکھئے Chapra (c)، 2000، ص ۲۵۲-۱۷۳

(۱۳) : ان سب اداروں کے بارے میں دیکھئے Chapra (c)، 1985، ص ۸۱-۱۷۴، اور Chapra & Khan، 2000، ص ۹۱-۸۵

(۱۴) : اس کیلئے دیکھئے Chapra and Khan، 2000، ص ۶۵-۶۴

(۱۵) : Wohlers-Scharf، 1983، ص ۱۲-۱۱

پختگی حاصل کریں قرآن کے احکام سے

کیوں نہ ہوں مسرور پاکستان کے انعام سے
جب قرارِ زندگی ہے اس کے استحکام سے

آج دل ہے پُر امید اُس کام کے انجام سے
کل ہی جس کی ابتداء کی تھی خدا کے نام سے

منزلِ مقصود جب اپنی معین ہو گئی
پھر تعجب ہے جو ہم بیٹھے رہیں آرام سے

دور ہو جائے دلوں سے دین و دنیا کی دوئی
ہو اگر دانش مشرف دولتِ اسلام سے

اُس تمدن کو بھی کیا تہذیب کہنا چاہئے
جسکا دامن سرخ ہو انساں کے قتلِ عام سے

ساز و ساماں پر غرور اُن کو ہمیں ایمان پہ ناز
ملت اپنی مختلف ہے دوسری اقوام سے

اُنکی آزادی کے محور صرف اُن کی خواہشات
اپنی آزادی فقط پابندیٔ اسلام سے

اپنی آزادی کہاں جب تک نکل سکتے نہیں
غیر اسلامی تخیل کے طلسمی دام سے

اپنی آزادی کہاں جبتک نہ باز آ جائیں ہم
امتزاجِ حق و باطل کے خیالِ خام سے

خود نمونہ بن کے پھر آگاہ کرنا ہے ہمیں
ساری دنیا کے رسول اللہ کے پیغام سے

ہے اسدؔ اپنے لئے سرچشمۂ قوت یہی
پختگی حاصل کریں قرآن کے احکام سے